خیابان بہار ۲۰۲۴

پاکستانی اُردو ناول اور دیہی زندگی میں شادی کی رسومات

ABSTRACT

Novel has brood spectrum where, we see all aspects of social and cultural values. Novel has wonderful description of different disciplines of life. Rural culture of Punjab has strong and apparent colons.
Here we observe specific customs, particularly regarding wedding ceremony. We also observe similarities as well as differences in local customs which are unique and interesting.

تہذیب و ثقافت کا سفر اس وقت محفوظ ہوتا چلا یا جب انسان نے لکھنا پڑھنا سیکھا لوک کہانیوں اور لوک گیتوں کا سفر جس میں سینہ بہ سینہ داستانیں اور گیت محفوظ ہوتے چلے گئے تھے ایک وقت ایسا آیا کہ یہی چیزیں تحریری طور پر محفوظ ہوتی چلی گئیں جہاں تک اُردو ادب کا تعلق ہے تو نثر کے حوالے سے تمام اضاف میں سے ناول کا ایک وسیع کینوس ہے جہاں آپ کو تہذیب و ثقافت کے تمام رنگ جھلکتے ہوئے نظر آتے ہیں موضوعاتی اعتبار سے ناول نے ہماری زندگی کے مختلف پہلووہی کی انتہائی دلفریب تصویر کشی کی ہے اور خاص طور پر پنجاب کے دیہی ثقافت کے رنگ بہت مضبوط اور نمایاں ہیں۔ اور ہمیں وہی زندگی کی کئ خوبصورت جھلکیاں دیکھنے کو ملتی ہیں پنجاب کی رسومات عقائد، لباس، کھانے، ذات پات کی تقسیم ہے جاگیر دارانہ نظام اور کسان کی سادہ زندگی کی عکاسی اس خوبصورت انداز سے ملتی ہے کہ قاری کے سامنے لفظوں کی کہانی تصویری شکل اختیار کر کے ذہن کے پردے پر رقص کرنے لگتی ہے۔

جہاں تک پنجاب کی وہی زندگی کا تعلق ہے تو یہاں رسم ورواج کو بہت اہمیت حاصل ہے رسم ورواج کا کوئی آئین نہیں ہوتا لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ان کو آئین و قوانین سے بھی زیادہ وقعت حاصل ہے لوک رسمیں سماج ہی کی پیداوار ہوتی ہیں یہ اچھی بھی ہوتی ہیں اور بری بھی پنجاب کے دیہی علاقوں میں بھی ہر طرح کی رسمیں موجود ہیں جو دیہی زندگی میں اسطرح رچ بس گئی ہیں کہ اگر معاشرہ ان کو ختم بھی کرنا چاہے تو ممکن نہیں ان میں سے تو کچھ تو ایسی ہیں جو اس قدر پیچیدہ اور گنجلک ہیں کو سوائے معاشرے ہر بوجھ کے ان کا کوئی قائدہ نہیں ہوتا لیکن یہ اسی طرح

سینہ بہ سینہ چلتی آرہی ہیں اور ہر طبقہ اپنی حیثیت کے مطابق ان رسومات کا اہتمام کرتا چلا آتا ہے۔ ہمارے ناولوں میں بھی ان رسومات کی کئی جھلکیاں دیکھنے کو ملتی ہیں جن میں جہاں ایک طرف ناول نگار نے اس علاقے کی رسومات کی تفصیل بیان کی ہے تو دوسری جانب ان رسومات کے معاشرے پر منفی اور مثبت اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت بھی کی ہے پنجاب کے دیہی کلچر میں جو رسومات منائی جاتی ہیں ان میں خوشی کی رسومات، غم کی رسومات اور عام معاشرتی رسومات شامل ہیں۔

خوشی کی رسموں میں سب سے پہلے ہم شادی بیاہ کے حوالے سے مختلف رسومات کو جب ناولوں کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو ہر ناول نگاروں نے پنجاب کے مختلف علاقوں کی رسومات کو اپنے ناولوں میں جگہ دی ہے۔ کہیں پر ہمیں مماثلت نظر آتی ہے تو کہیں پر الگ علاقائی رنگ جلوہ گر نظر آتا ہے کچھ رسومات ایسی ہیں جو پڑھنے میں دلچسپ بھی لگتی ہیں اور منفرد بھی جبکہ کچھ رسومات ایسی ہیں جو انتہائی تکلیف دہ ہیں لیکن لوگ مر جانا تو پسند کرتے ہیں لیکن ان رسومات سے روگردانی کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔

شادی بیاہ کے حوالے سے خاندانی حسب و نسب کی اہمیت ماضی میں بھی تھی اور دورِ حاضر میں بھی ہے جبکہ بہت سی معاشرتی تبدیلیوں کے باوجود پنجاب کی خصوصاََ دیہی زندگی سے ہم اس سوچ کو ختم نہیں کر پائے اور آج بھی رشتے ناطے طے کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ شادی ایک تو اپنے ہم پلہ میں ہوں اور دوسرے اُونچی ذات کے لوگ کمی کمینوں کے ساتھ رشتے ناطے طے کرنا پسند نہیں کرتے چاہے کمی کمین ذاتیں مالی حیثیت سے ان کے ہم پلہ ہی کیوں نہ ہوں۔ وہ اپنی جیسی اُونچی ذاتوں کے ساتھ چاہیے وہ غریب ہی کیوں نہ ہوں رشتہ داری گانٹھ لیں گے مگر کمی کمین کے ساتھ نہیں۔ "اُداس نسلیں" میں عبد اللہ حسین نے اِسی رویے کی عکاسی کی ہے کہ جب عذرا اپنے سے نچلے خاندان میں شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کرتی ہے اس کی خالہ کا ردِ عمل کچھ یوں ہوتا ہے۔

> "کہ روشن پور والوں کی لڑکیاں نچلے طبقے میں شادی کریں۔"(۱)

جس کے جواب میں عذرا کہتی ہے:

> "نچلا طبقہ، نچلا طبقہ کیا ہے اس نے ایک ساتھ سختی اور بے چارگی سے کہا۔ کیا وہ
> کمین ہے؟ کیا وہ ہماری زمین کاشت کرتا ہے اس کے پاس اپنے مویشی نہیں ہیں اور

گھوڑے اور مکان ۔۔۔۔۔ ان چیزوں کی کوئی وقعت نہیں ان کے باوجود وہ بے حیثیت ہے۔ اس کا باپ ایک معمولی کسان تھا۔ "(۲)

ذات پات کا تصور چھوٹے گھرانوں میں جو ہے سو ہے لیکن جاگیرداروں اور زمینداروں میں یہ احساس برتری بہت نمایاں اور متکبرانہ انداز لیے ہوئے ہے۔ زمیندار لوگ اپنی زمینوں اور روپے پیسوں کے بل بوتے پر کمی کمینوں کی عورتیں اٹھا کر گھر تو لے آتے تھے اور ان سے جسمانی مراسم بھی رکھتے تھے لیکن ان کو خاندان کی عزت بنانے کے لیے کسی طور پر بھی راضی نہیں ہوتے۔ سید شبیر حسین "جھوک سیال" میں اس کی منظر کشی کچھ اس طرح کرتے ہیں۔

"اگر کوئی رئیس یا متمول زمیندار کسی ماچھن، کمہارن، مصلن یا میراثن کو گھر میں ڈال لیتا تو اس پر اپنے اقربا کے سوا کسی کو اعتراض نہ تھا کیونکہ صدیوں سے کھاتے پیتے رئیس اور بڑے بڑے زمیندار کم مایہ بے حیثیت لوگوں کی بہو بیٹیوں کو جاگیر سمجھتے آئے تھے مگر جہاں تک کسی ماچھن کا کمہارن سے یا تیلی مصلن سے بیاہے جانے کا تعلق تھا اس کی کسی صورت اور کسی شکل اجازت نہ تھی۔ "(۳)

زمیندار اور جاگیردار اپنی عیاشی کے لیے کئی عورتیں اپنے پاس رکھتے ہیں۔ بعض اوقات مزارعوں کو سبق سکھانے کے لیے زبردستی ان کی بہو بیٹیوں کو اغواء کر لیا جاتا ہے اور بعض اوقات عورتیں اپنی راضی سے ان زمینداروں اور جاگیرداروں کی خلوت کو رنگینی بخشتی ہیں لیکن یہ بات ان کے علم میں بھی ہوتی ہے کہ وہ ان کی جسمانی تسکین کا ذریعہ تو ہیں لیکن ان سے بیاہ کر کے کبھی بھی اُن کو خاندانی بہو بیٹی کا مقام نہیں دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ خاندانی بیوی بھی کوئی اعتراض نہیں کرتی کیونکہ اس کے بھی علم میں ہوتا ہے کہ خاندان کی اصل عزت ان کے دم سے ہے اور ان کی ہی اولاد آگے جائیداد کی اصل وارث ٹھہرے گی۔ شوکت صدیقی "جانگلوس" میں لکھتے ہیں:

"چوہدری انوکھی گالیہ نہیں سارے ہی وڈے زمیندار اور جاگیردار اسی چکر میں رہتے ہیں۔ گھر والیاں بھی سب کچھ جانتی ہیں پر انھیں پتا ہوتا ہے کہ جائیداد کی اصلی مالکن وہی ہوتی ہیں اور انہی کی اولادیں جائیداد کی وارث بنتی ہیں یہ حق ان سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ "(۴)

جہاں تک شادی بیاہ کی رسومات کا تعلق ہے تو بہت سی دلچسپ رسومات کو ناول نگاروں نے اپنی تحریروں کا حصہ بنایا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے اپنے ناول " خس و خاشاک زمانے" میں ایک ہی پیراگراف میں انتہائی خوبصورت انداز میں دیہی کلچر اور رسوم ورواج کو پیش کیا ہے۔ جو قاری کے لیے یقیناً دلچسپ بھی ہیں اور معلوماتی بھی۔

"ویسے اس بیاہ میں وہ کچھ نہ ہوا جس سے دھومیں پڑ جاتی ہیں۔ نہ سینکڑوں کی تعداد میں دیگیں اتریں، پلاؤ زردے اور گوشت کی۔۔۔ نہ ہی کمی کمینوں کو کمخواب کے جوڑے دیئے گئے۔۔۔ نہ ہی تو تڑیاں یا شہنائیاں بجائی گئیں۔۔۔ رواج تو یہی تھا کہ آمد بارات پر گاؤں کے کوٹھوں پر کھڑے میراثی اپنے ناتواں پھیپھڑوں کی پوری قوت صرف کرتے تو تڑیاں جگاتے تھے۔۔۔ بارات نے بھی تین چار روز ٹھہر کر اپنی خدمت خاطر نہ کروائی۔۔۔ نہ ہی کوئی ڈھول ڈھمکا ہوا اور نہ ہی جہیز کو چارپائیوں پر پھیلا کر اس کی نمائش ہوئی۔۔۔۔"(۵)

گاؤں کے باسیوں کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہاں کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں اور ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں شریک ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کے لوگوں کے دکھ بھی سانجھے ہوتے ہیں اور خوشیاں بھی اور جس گاؤں میں کسی کی بیٹی کی شادی ہوتی ہے تو پھر یہ بیٹی اس ایک گھر کی بیٹی نہیں بلکہ پورے گاؤں کی بیٹی ہوتی ہے۔ اس لیے تمام گاؤں کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور آمدن کے مطابق اپنا حصہ ڈالنا فرض سمجھتے ہیں۔ رشتوں کی یہی مضبوطی ماحول کو ایک نیا رنگ عطا کرتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ تمام لوگ باہم ایک زنجیر کی طرح آپس میں جڑے ہوئے ہیں اگرچہ کبھی کبھار اپنے شملے کو اُونچا کرنے کے لیے ایک غیر محسوس طریقے سے طبقاتی تصادم جنم لیتا ہے لیکن پھر جب معاملہ بہن بیٹی کا آجائے تو پھر آہستہ آہستہ معاملہ خود ہی ختم ہو جاتا ہے۔ میرا گاؤں میں غلام ثقلین نقوی لکھتے ہیں:

"گاؤں میں پلنے بڑھنے والی ہر لڑکی کا گاؤں کے ہر فرد کے ساتھ کوئی نہ کوئی رشتہ ہوتا ہے۔ ساتھ ساتھ پروان چڑھنے والے بھائی، ممیر، پچیر نہ بھی ہوں پھر بھی دل کا رشتہ تو ضرور قائم ہو جاتا ہے۔"(۶)

یہی وجہ تھی کہ جس دن بارات آتی تھی اُس روز پوری برادری کی بھینسوں کا دودھ گھر نہیں جاتا تھا بلکہ چوپال یا دارے میں آئے ہوئے باراتیوں کی مدارات کے لیے جمع کیا جاتا تھا۔ کئی روز پیشتر دُلہن والے برادری کے گھروں سے چار پائیاں اور بستر اکٹھے کرنے لگتے تھے ہر گھر اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق چارپائیوں اور بستروں کا انتظام کرتا تھا۔ اس وقت گاؤں کے چوہدریوں کے پاس بہت وقت ہوتا تھا کہ وہ اپنی دولت اور سازوسامان کی نمودونمائش کر کے تمام گاؤں سے داد اور تعریفیں وصول کر سکیں۔ چنانچہ وہ اپنے نئے بستر اور رنگین پائی والی چارپائیاں دے کر احساسِ تفاخر کا شکار ہو جاتے۔ اس کی عکاسی مستنصر حسین تارڑ نے "خس وخاشاک زمانے" میں کچھ اس طرح کی ہے۔ تب ایک چوہدرانی کے لیے سب سے پُر فخر وہ لمحہ ہوتا تھا جب وہ پچھلی کوٹھڑیوں میں سے نیچے اُوپر رکھی نواری رانگلے پایوں والی متعدد چارپائیوں اور ان پر تہہ شدہ در جنوں بستر برآمد کر کے دُلہن کے گھر والوں کو پیش کر دیتی تھی اور وہ شکر گزار ہو کر کہتے تھے کہ چوہدرانی پورے گاؤں میں سے زیادہ اور نویں نکور بستر تمہارے ہی گھر سے نکلے ہیں سب کے ہاں سے بان کی چارپائیاں برآمد ہوئی ہیں پر تو نے ایک نہیں اکٹھے تین نواری پلنگ ہمارے آگے بچھا دیئے ہیں۔(۷)

پنجاب کے دیہی علاقوں میں رشتہ بجھوانے اور قبول کرنے کے لیے عموماً علاقے کے میراثی اور مراثنوں سے خدمات حاصل کی جاتی تھیں۔ میراثی یا میراثنوں کے ذریعے متعلقہ گھر میں رشتہ بھجوایا جاتا تھا اگر رشتہ قبول کرنا مقصود ہوتا تھا تو پھر باقی اہل خانہ ایک دوسرے کے گھروں میں آتے جاتے تھے۔ البتہ انکار یا اقرار دنوں صورتوں میں پیغام میراثیوں کے ذریعے ہی بجھوایا جاتا تھا۔ اگرچہ اب صورتحال کافی تبدیل ہو چکی ہے لیکن وہ دیہی علاقے جو شہروں سے کافی فاصلے پر ہیں وہاں اب بھی یہی طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ "خس وخاشاک" میں لکھتے ہیں:

> "اگلے روز ایک بنی ٹھنی میراثن بوندی کے لڈوں کا ایک تھال سر پر اٹھائے ماہلو کے لیے چوہدری امام بخش کا رشتہ لے کر آگئی تو بہشت بی بی اور محمد جہاں نے صاف انکار کر دیا۔"(۸)

پنجاب کے دیہی علاقوں میں روانگی برات اور استقبال برات کے بھی منفرد انداز اور رسومات ہیں۔ ناول نگاروں نے اس موقعے کی مناسبت سے اپنے اپنے انداز میں تصویر کشی کی ہے۔ جانگلوس میں شوکت صدیقی، جھوک سیال میں شبیر حسین، علی پور کا ایلی میں ممتاز مفتی، عبد اللہ حسین نے نادار لوگ میں تقریباً ملتی جلتی رسومات کا ذکر کیا ہے۔ بارات کے ساتھ آنے والے باراتیوں کے حلیوں کے ساتھ ساتھ دولہا کے لباس کی بھی تصویر کشی کی ہے چونکہ اس زمانے میں زیادہ تر باراتیں پیدل یا تانگوں اور بیل گاڑیوں پر جاتی تھی اور بارات کے آگے بینڈ باجے بجائے جاتے تھے جس کا رواج اب بھی دیہی اور شہری زندگی دونوں میں موجود ہے۔ لہٰذا ناول نگاروں نے اسی منظر کی تصویر کشی اپنے اپنے اسلوب سے کی ہے۔ عبد اللہ حسین نادار لوگ میں لکھتے ہیں۔

> "دولہا سوار تھا اور پچھلی سیٹ پر دولہے کی ماں اور بہنیں پھنس کر بیٹھی تھیں۔ اس گاؤں میں یہ پہلا بیاہ تھا جس میں تین کاریں بھی شامل ہوئی تھیں اور بارات کے ساتھ بینڈ باجے والوں کا دستہ آیا تھا۔ سرور روٹھور کا گاؤں تین کوس کے فاصلے پر پکی سڑک کے کنارے واقع تھا وہاں سے بینڈ والے تانگوں پہ گاؤں کے چوہدری اپنی گھوڑیوں پر اور عام مدعوئیں گاڑیوں پر سوار ہو کر اور کئی پیدل چل کر آئے تھے۔"(۹)

لیکن سب سے منفرد تصویر کشی ہمیں مستنصر حسین تارڑ کے ناول "خس و خاشاک زمانے" میں ملتی ہے۔ جہاں باراتیوں کا الگ روپ نظر آتا ہے۔ لکھتے ہیں۔ دنیا کے ریلوے اسٹیشن پر گاڑی میں سے جو بارات اتری تو اس میں شامل بیشتر باراتی صرف تہمند باندھے ہوئے تھے پاؤں سے ننگے تھے اور انھوں نے اپنے کرتے اور جوتیاں نہایت احتیاط سے اپنے سروں پر سنبھال رکھے تھے۔ ان میں سے بیشتر نے زندگی میں پہلی بار ریل گاڑی کا سفر اختیار کیا تھا اور باقاعدہ جوتیاں پہنی تھیں پر کوٹ ستارہ سے نکلتے ہی اُنھوں نے اپنی جوتیاں اتار کر سروں پر رکھ لی تھیں تاکہ یونہی بے کار چلنے پھرنے سے وہ گھس نہ جائیں۔ اور سب دلچسپ بات جس کی عکاسی مستنصر کی ہے وہ یہ کہ جاٹ لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ستر ڈھانپنا تو مجبوری ہے لیکن بدن کا اُوپر کا حصہ اس لیے بنایا گیا ہے کہ وہ موسموں کی شدت کو برداشت کر سکے اور پاؤں میں جوتی بھی اس لیے نہیں پہنی جاتی کیونکہ اس طرح پاؤں سختیاں برداشت کرنے کے قابل نہیں

رہتا۔ یہی وجہ تھی کہ جب شادی کے موقع پر ان کو جوتوں اور کپڑوں کا استعمال کرنا پڑا تو جوتے گھسنے کے ڈر سے اور کپڑے کھردرے ہونے کے باعث سروں پر سنبھال کر رکھ لیے گئے تھے۔

استقبال برات کی رسومات بھی دیگر ناولوں کی نسبت مستنصر حسین تارڑ کے ناول میں منفرد انداز میں پیش کی گئی ہیں جس میں برات کا استقبال پھولوں اور پتیوں کی بجائے گوبر کے اُپلوں اور کنکر کے ساتھ کیا گیا اور اگر کنکر لگنے سے باراتی زخمی ہو جاتا تو باراتی اس عزت افزائی پر نازاں مسکراتے ہوئے اپنے آپ کو اس یلغار سے بچانے کی کوشش کرتے۔ اُپلوں اور کنکریاں کی ژالہ باری کے ساتھ ساتھ باراتیوں پر مغلظات کی بارش بھی ہوتی۔ جس میں بنیادی ہدف دُلہن کی ماں اور بہنیں ہوتیں۔ دُولہے کی ماں کو اگر فاحشہ عورت بھی قرار دیا جاتا تو تب بھی دُولہا میاں کے ماتھے پر شکن تک نمودار نہیں ہوتی اور وہ دولہا جو اپنی والدہ ماجدہ کی شان میں ذرّہ بھر گستاخی پر مارنے پر آمادہ ہو جاتا ہے وہ اس طرح کے گیت سن کر بھی مسکراتا رہتا۔

"ساڈھی تے روہی وچ بینڈے پے چیکدے

لاڑے دی ماں نوں کتے پے دھریک دے

اساں چھڑاناں نئیں

دے نہ بحیو، لج تہانوں ئیں"(۱۰)

برات کی آمد کے بعد سب سے پہلے مذہبی فریضہ نکاح کا ہوتا ہے۔ ہمارے دیہی اور شہری دونوں جگہوں پر نکاح کے بعد کسی بھی میٹھی چیز کی تقسیم کی جاتی ہے یہ رواج ماضی میں تھا اور اب بھی موجود ہے البتہ علاقوں کی حیثیت کے مطابق میٹھی چیزوں کی اقسام مختلف ہو جاتی ہیں کہیں پر مخانے اور چھوہارے تقسیم کیے جاتے ہیں تو کہیں پر مختلف میوے جات بھی شامل ہوتے ہیں۔ اس کو عرف عام میں "بد" کہا جاتا ہے جو دولہا کے گھر والوں کی جانب سے تقسیم کی جاتی ہے۔ اس کا مقصد "نکاح" کے فریضے کے بعد لوگوں کا منہ میٹھا کروانا ہوتا ہے۔ اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔ جھوک سیال میں شبیر حسین لکھتے ہیں:

"رمضو نائی نے چھوہارے اور مخانے تقسیم کیے اور جو بچ رہے تھے وہ مٹھیاں بھر بھر کر بچوں کی طرف پھینک دیے۔"(۱۱)

مذہب اسلام میں عورت کو جائیداد میں حصہ دار قرار دیا ہے جبکہ ہندو معاشرے میں جہیز کی صورت میں عورت کو ساز و سامان دے کر فرض ادا کر دیا جاتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں مسلمان اور ہندوؤں نے کئی سو سال اکٹھے گزارے جس کی وجہ سے بہت سے رسم و رواج غیر محسوس طریقے سے ایک دوسرے کی زندگیوں میں شامل ہوتے چلے گئے اور یہ جہیز دینے کی رسم بھی اسی میں شامل ہے۔ جو یقیناً لڑکی والوں کے لیے ایک تکلیف دہ رسم ہے لیکن پھر بھی یہ ہماری دیہی اور شہری زندگی میں بہت اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ اس کے بغیر شادی / بیاہ کا تصور ممکن نہیں ہے اور خاص طور پر جہیز نہ لانے یا کم لانے کی صورت میں بیٹی کو سسرال میں کئی قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ ماضی کی طرح دورِ حاضر میں یہ سلسلہ اسی طرح جاری و ساری ہے۔ حتٰی کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خاندانوں میں بھی اس کو معیوب نہیں سمجھا جاتا بلکہ باقاعدہ فرمائش کر کے جہیز لیا جاتا ہے اور حکومتی سطح پر بھی اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاتی۔ اس لیے اکثر ناول نگاروں نے اس رسم کو اپنے ناولوں میں جگہ دی ہے اور وہ بھی بہت مثبت انداز میں پیش کیا ہے۔ ہمارے دیہی علاقوں میں رواج ہے کہ بری اور جہیز کا سامان چارپائیوں پر پھیلا دیا جاتا ہے تاکہ گاؤں کے لوگ اور براتی اس کو دیکھ سکیں۔ جانگلوس میں شوکت صدیقی نے اس رسم کے لیے "کھٹ دکھائی" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

جہیز کے سامان کی طرح بری کے سامان کی بھی باقاعدہ نمائش کی جاتی ہے اور بری کا سامان سجانے کے بعد محلے بھر کو اطلاع کر دی جاتی ہے کہ وہ آکر سامان بری دیکھ لیں اور اس کے پیچھے ایک مقصد لوگوں کو مرعوب کرنا بھی ہوتا ہے۔ شادی بیاہ کے معقع پر لوگوں کو بلاوے کی ذمہ داری نائی اور نائن کی ہوتی تھی جو گھر گھر جا کر شادی کے لیے مدعو کرتے تھے کیونکہ اس وقت کارڈ چھپوانے کا رواج نہ تھا اور مختلف رسومات کے لیے بلاوا بھی انہی کے ذریعے دیا جاتا تھا اب بھی یہ رسومات دیہی علاقوں میں کسی حد تک جاری و ساری نظر آتی ہیں۔

> "عین اس وقت نیچے ڈیوڑھی سے نائن کی آواز آئی بی بی حسن دین کے گھر سے بلاوا ہے کہ آکر بری کی چیزیں دیکھ لو۔" (۱۲)

ہمارے دیہی علاقوں میں رواج ہے کہ بارات کی خاطر تواضع کی جاتی ہے۔ اب چاہے وہ چائے لسی کی صورت میں کی جائے یا پھر کھانے کی صورت میں ہر شخص اپنی مالی حیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے آنے والے مہمانوں

کی خاطر مدارت کرتا ہے۔ کھانے کے حوالے سے ہر علاقے کے اپنے اپنے رسم ورواج ہیں۔ کچھ روایتی کھانے ہیں اور کچھ کا اہتمام لوگ اپنی مالی حیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گاؤں کے عام باسی کے ہاں کھانے کا اہتمام عام سادہ انداز میں کیا جاتا ہے جبکہ زمیندارانہ اور جاگیردارانہ کلچر میں اس کا اہتمام وسیع پیمانے پر کیا جاتا ہے۔ وقت کے ساتھ آنے والی تبدیلیوں کے اثرات جہاں باقی رہن سہن پر پڑے ہیں تو وہاں کھانے کے آداب اور کھانے کے لوازمات پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوئے ہیں ۔ اگر ہم مستنصر حسین تارڑ کے ناول " خس وخاشاک زمانے" میں ۔ بارات کے کھانے اور کھانا کھانے کے طور طریقہ کو دیکھیں تو وہ طریقہ اب ہمیں دیہی علاقوں میں بھی نظر نہیں آتا تاکہ جہاں کھانا کھانے کے لیے نہ تو کوئی پلیٹ ہے نہ پیالی اور نہ ہی چمچ اور نہ کھانا کسی پرات یا تھال میں ڈال کر پیش کیا گیا ہے بلکہ رزدے کی دیگ کو دستر خوان پر انڈیل دیا گیا ہے جہاں باراتی ہاتھ سے کھاتے ہیں اور سب سے منفرد چیز جو پڑھنے کو ملتی ہے وہ یہ زردے کے اُوپر ہی گوشت کی دیگیں اُلٹ دی گئیں جس سے میٹھے اور نمکین کا ایک نیا ذائقہ نظر آتا ہے۔

> " نائیوں نے اُن پر سوندھے گرم گرم زردے کے زرد چاولوں کی دیگیں اس احتیاب سے انڈیلیں کہ ان کا شوربے والے گوشت کی دو دیگیں انڈیل دیں شوربے کی آمیزش سے زردے چاولوں کی دیگیں اس احتیاط سے انڈیلیں کہ ان کا شوربے والے گوشت کی دور دیگیں انڈیل دیں شوربے کی آمیزش سے زردے کا روپ ہی بدل گیا۔"(۱۳)

دیہی علاقوں میں شادی بیاہ کے موقع پر کئی خوبصورت اور رنگین رسم ورواج کا اہتمام کیا جاتا ہے جن میں سے کئی رسومات کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے ۔ عموماََ شادی والے گھر میں شادی والے گھر میں شادی سے کئی دن پہلے ڈھولک رکھ لی جاتی ہے جس میں پہلے تو رواج یہ تھا کہ گاؤں کی مراثنیں یا بوڑھیاں گانا گاتی تھیں لیکن وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلی آنے کی وجہ سے اب گاؤں کی لڑکیاں بالیاں بھی محفل کو اپنی خوبصورت آوازوں سے رنگین بناتی ہیں۔ جنھیں کچھ عرصہ پہلے تک معیوب سمجھا جاتا تھا۔

> "اپنے محلے میں روز ڈھولک بجتی ہے عوتیں گاتی ہیں۔ میراثیوں کی بیٹھک ہوتی ہے وہ رنگ جما ہوا ہے محلے میں آکر دیکھو گے تو آنکھیں کھل جائیں گی۔"(۱۴)

دیہی علاقوں میں تیل کی رسم، مہندی کی رسم، مہندی کی رسم، کھارے کی رسم، مکلاوے کی رسم کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ تیل کی رسم سے پہلے دلہن کو گھر کے الگ کمرہ میں بٹھا دیا جاتا ہے تا کہ کسی غیر محرم کی نظر اس پر نہ پڑے کیونکہ عام خیال یہ ہے کہ اس طرح سے الگ کمرے میں بٹھانے سے دُلہن پر روپ زیادہ آتا ہے۔ لہٰذا ایسی لڑکی نہ تو کھیتوں پر جاسکتی نہ پانی بھرنے کنویں یا پنگھٹ پر اس گھر کی دہلیز سے آگے قدم نکالنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ لہٰذا جب تیل کی رسم ادا کی جاتی ہے تو دُلہن کو باہر لا کر تیل والی چوکی پر بٹھایا جاتا ہے۔ جہاں سات سہاگنیں باری باری دُلہن کے سر پر تیل لگاتی ہیں اور ساتھ ہاتھ پر مہندی لگاتی ہیں جو دُلہن باری باری دیوار پر ملتی چلتی جاتی ہے۔

> "سات نوجوان عورتیں آگے بڑھیں اور تاجاں کے ارد گرد بیٹھ گئیں۔ ساتوں سہاگنیں وہ تاجاں کے گندھے ہوئے بال آہستہ آہستہ کھولنے لگیں لیکن بال کھولنے سے قبل ایک عورت نے تاجاں کی ہتھیلی پر ناریل اور گھی میں ملی ہوئی تھوڑی سی مہندی رکھ دی اس کا ہاتھ پکڑا اور دیوار کے پاس لے گئی تاجاں نے اس کی ہدایت کے مطابق شرم سے جھجکتے ہوئے ہتھیلی کی مہندی دیوار پر مل دی۔"(۱۵)

بارات کی آمد سے قبل دُلہن کو کھارے بٹھایا جاتا ہے جہاں نائن دُلہن کے میلے کچیلے مانجھے کے زرد کپڑے اتار کی دُلہن کو غسل دیتی ہے۔ اس دوران میراثنیں، نوجوان لڑکیاں اور عورتیں گانوں کی صورت میں اپنے جذبات کی عکاسی کرتی ہیں اور جب دُلہن نہا لیتی ہے تو بھائی یا باپ دُلہن کا ہاتھ پکڑ کر کھارے سے اتارتا ہے جسے "کھارالہائی" کی رسم کہا جاتا ہے اور کھارالہائی کے بعد وہ نائن کو کھارالہائی بھی دیتا ہے اور جس جگہ پر دُلہن کو نہلایا جاتا ہے۔ اس جگہ کے کچے فرش کی گیلی مٹی کو شگون کے طور پر چھت پر پھینک دیا جاتا ہے۔ بعد ازاں نائن دُلہن کا سنگھار کرتی ہے جو کہ سسرال کی جانب سے آئے ہوئے کپڑوں، زیورات اور میک اپ کے سامان پر مشتمل ہوتا ہے۔ سنگھار کرنے میں نوجوان سہاگنیں اور دوشیزائیں نہایت ذوق و شوق کے ساتھ نائن کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔ دُلہن کا بناؤ سنگھار ہوتا رہتا ہے اور ساتھ ساتھ ڈھولک پر سنگھار کے گیت بھی گونجتے رہتے ہیں۔

دیہی علاقوں میں دولہے کو سلامی دینے کا بھی رواج ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے "خس و خاشاک زمانے" میں اس کے لیے "نیوندرا" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ رقم لوگ ادھار سمجھتے تھے اور اس کا لوٹانا فرض اگر کسی وجہ سے

اخاندان میں لڑائی ہو جاتی تھی اور متعلقہ گھر میں اگر شادی پر نہ بھی جانا ہوتا تھا تو تب بھی وہ رقم کسی عزیز کے ہاتھ بھجوا دی جاتی تھی۔ لکھتے ہیں:

"یہ ایک نہایت کار آمد رسم تھی جس کے تحت آپ شادی بیاہ کے موقعوں پر دولہا کو سلامی کے طور پر رقم دیتے ہیں اور اس جمع شدہ رقم سے اخراجات پورے کرنے میں آسانی ہوتی ہے اور پھر اس شخص کو جس نے وہ نیوندرا ڈالا ہوا تنی ہی یا ایک روپیہ زیادہ اس کے ہاں ہونے والی شادی کے موقع پر وہی رقم واپس کر دی جاتی اسے آپ مستقبل کے لیے ایک سرمایہ کاری کا نام دے سکتے ہیں"(۱۶)

بعض گھرانوں میں رواج تھا کہ دُولہا کو زنان خانے میں لایا جاتا جہاں پر دودھ پلائی کی رسم کے ساتھ ساتھ خاندان کی دیگر عورتیں سلامی اور تحائف دولہا کو پیش کرتی تھیں اور ساتھ ہی ساتھ سہیلیاں اور مہمان لڑکیاں دولہے سے چھیڑ چھاڑ جاری رکھتیں اور میراثنیں ڈھولک کی تھاپ پر گیت گاتیں جس میں بھی دولہا سے چھیڑ چھاڑ کے اشعار شامل ہوتے تھے۔

"جمیلہ نے مٹھائی کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور دولہا کی جانب ہاتھ بڑھایا مسکرائی اور دل جوئی سے اسے مٹھائی کھلائی سلامی میں پانچ سو روپے اور ایک گھڑی تاجاں کی شتے دار دوسری عوتوں نے بھی حسب توفیق سلامی دی۔"(۱۷)

دیہی علاقوں میں رخصتی عموماً ڈولی میں کی جاتی تھی اب بھی یہ رسم کئی علاقوں میں موجود ہے۔ ڈولی میں دُلہن کو، دلہن کے بھائی بٹھاتے ہیں اور بعد ازاں اٹھا کر بھی وہی لے جاتے ہیں۔ جو کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد کمہاروں کے حوالے کر دی جاتی ہے کیونکہ کمہار ڈولی اٹھانے کا نیگ وصول کرتے ہیں جو وہ اپنا حق سمجھ کر لیتے ہیں۔

"اعجاز جمیلہ کے پھوپھا اور اس کی دو بیٹیوں نے ڈولی اٹھا کر اس کے ڈانڈے کندھوں پر رکھے اور اس باہر لے چلے۔۔۔۔۔۔ کچی سڑک پر پہنچ کر ڈولی کمہاروں کے حوالے کر دی گئی۔"(۱۸)

رخصتی کے وقت دلہن سمیت قریبی رشتے دار آنسوؤں کے ساتھ دلہن کو رخصت کرتے ہیں اگرچہ بیٹی کا بیاہ کر کے والدین ایک بڑے فرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں لیکن ساتھ ہی بیٹی سے بچھڑنے کا غم بھی دامن گیر ہوتا

ہے اور نئے گھر میں نئی زندگی کی شروعات سے متعلق بھی بہت سے خدشات ذہن میں موجود ہوتے ہیں۔ لہٰذا بیٹی کی رخصتی پر دُلہن کی ماں، بہنیں اور رشتہ دار جدائی کے غم کی وجہ سے آنسو بہاتی ہیں اور میراثنیں رخصتی کے گیت گا کر ماحول کو مزید سوگوار بنا دیتی ہیں۔

رخصتی کے بعد رواج یہ تھا کہ دُلہن کے ساتھ ایک نائن بھی جاتی تھی مگر اب یہ رواج تقریباً متروک ہو چکا ہے۔ نائن کے جانے کا مقصد دُلہن کا خیال رکھنا ہوتا تھا کیونکہ وہ ایک نئے گھر میں اپنی نئی زندگی کی ابتداء کر رہی ہوتی تھی۔

> "ہر دولہن کے ہمراہ ڈولی میں خاندانی نائن بھی اس کے سسرال جاتی تھی اور اور اکثر سہاگ رات کے دوران یا تو اس کوٹھڑی کے ایک کونے میں براجمان ہو جاتی یا پھر آس پاس رہتی اور دولہے پر کڑی نظر رکھتی۔"(۱۹)

دیہاتی زندگی میں شادی کے حوالے سے کچھ رسومات ایسی ہیں جن کی وجہ سے خاص طور پر عورتوں کے حقوق کا استحصال کیا جاتا ہے۔ کہیں تو کم عمر میں شادی کی جاتی ہے اور کہیں پر عورت کو قربانی کی بھینٹ چڑھا کر اس کی شادی قرآن مجید سے کر دی جاتی ہے۔ کہیں پر وٹے سٹے کی شادی کا رواج ہے اور کہیں پر عزت اور غیرت کے نام پر کارا کاری کی رسم کا رواج ہے۔ زمیندارانہ نظام میں بیٹی کی شادی صرف اس لیے نہیں کی جاتی کہ زمین میں سے بہن بیٹی کو حصہ دینا پڑے اور اس طرح زمین کا بٹوارا ہو جائے گا اور کہیں پر زمیندارانہ اور جاگیر دارانہ نظام اتنا مضبوط ہے کہ رعیت کو اجازت نہیں ہوتی کہ وہ بغیر زمیندار کی اجازت کے اپنی بیٹی کی شادی کرے یا اس کا رشتہ طے کرے یا اس کی شادی کی تاریخ مقرر کرے۔ یہ ساری رسومات کئی سالوں سے چلتی آ رہی ہیں اور بعض علاقے تو ایسے ہیں۔ بعض علاقے تو ایسے ہیں جہاں دورِ حاضری کی ترقی نے اپنے اثرات مرتب کیے ہیں اور نہ ہی تعلیم نے شعور و آگہی کے دریچے وا کیے ہیں۔ عورت کے حقوق کا اس طرح استحصال کیا جا رہا ہے جتنا آج سے کئی سال پہلے کیا جا رہا تھا۔ ہمارے ناول نگاروں نے انہی رسم و رواج کو اپنے ناولوں میں خصوصی جگہ دے کر عورت کے حقوق کے استحصال اور زیادتی کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ " جانگلوس " میں شوکت صدیقی نے انتہائی خوبصورتی سے اس قبیح رسم کی عکاسی کی ہے کہ زمیندار اور جاگیر دار کو صرف اپنی جائیداد سے محبت ہوتی ہے۔ اس کو بڑھانے کے لالچ میں وہ اس قدر اندھا ہو جاتا

ہے کہ نہ وہ بیٹی کا باپ بنتا ہے۔ نہ بیوی کا شوہر اور نہ ہی بہن کا بھائی۔ اس لیے وہ اپنی بہن یا بیٹی کا بیاہ کرنے پر کسی کسی طور پر راضی نہیں ہوتا۔

"اگر جاگیر اور زمینداری اس کے پاس رہے گی تو وہ ساری عمر اپنی اکلوتی بیٹی کا ویاہ نہیں کرے گا اس ڈر سے کہ جاگیر اور جائیداد اس کے خاندان سے باہر چلی جائے گی وہ جاگیر کم کرنے کی بجائے بڑھانا چاہتا ہے یہ بات وہ مجھ سے صاف صاف بتا چکا ہے۔ وہ جاگیر اور جائیداد کے سوا کسی سے بھی محبت نہیں کرتا"(۲۰)

جائیداد کے لالچ میں ظلم وزیادتی کی انتہا دیکھیے کہ عورت کی شادی قرآن پاک سے کر دی جاتی ہے یا پھر چاند سورج سے کر دی جاتی ہے۔ یہ رسم ہمیں سندھ میں نظر آتی ہے اور پنجاب کی خاص طور پر سرائیکی پٹی میں بھی اس رسم کی پیروی کی جاتی ہے اور ظلم تو یہ ہے کہ انکار کی صورت میں عورت کو موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے لیکن خاندان میں سے کسی کی بھی جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اس غلط فعل کے خلاف آواز بلند کرے یا اپنے ردِ عمل کا اظہار کرے۔

"لکڑی کی ایک چوکی پر رحل لا کر رکھی گئی اس پر ریشمی جزدان میں بند کر ان مجید میں رکھا گیا سارے مسلمان چوکی کے گرد نیم دائرے میں بیٹھ گئے ہر طرف اگر پتیوں کی خوشبوں پھیلی تھی قرآن مجید جزدان سے نکال کر اس طرح رکھا گیا کہ سب اسے دیکھ سکتے ہیں...... کر ان مجید پر پھولوں کا ہار ڈالا گیا۔ ملانے ایک وکیل ،دو گواہوں کے ہم راہ حویلی میں عورتوں کے بیچ میں بیٹھی ہوئی وہٹی کے پاس بھیجا ...... ملانے اُونچی آواز سے نکاح پڑھا یا ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگی دوسروں نے بھی دُعا کے لیے اپنے اپنے ہاتھ اٹھائے لو جی نکاح ہو گیا"(۲۱)

"جائیداد اپنے پاس رکھنے کے لیے ادھر کے کتنے ہی زمیندار اپنی بیٹیوں کا نہ صرف شریف سے بلکہ میں تو یہ بھی سنا ہےٗ کہ چاند اور سورج سے نکاح پڑھا کر اپنے پاس رکھتے ہیں وہ زندگی بھر کنواری ہی رہتی ہیں اور بوڑھی ہو کر مر جاتی ہیں"(۲۲)

اس زیادتی کے بعد عورت کی سخت نگرانی کی جاتی ہے اور اگر عورت دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر یا انسانی فطرت کے پیش نظر کسی اور کے ساتھ تعلق یا رشتہ قائم کر لیتی ہے تو اس کو کاراکاری قرار دے کر قتل کر دیا جاتا ہے اور بعض

جاگیر دار ثبوت نہ ہونے کے باوجود اپنی بہن بیٹی کو کاراکری رسم کے بھینٹ چڑھادیتے ہیں تا کہ جائید اد گھر سے باہر نہ جاسکے۔

"اگر مرجان پر سیاہ کاری ثابت ہو گیا اور جرگے نے اسے کالی اور سہراب کو کالا کرار دے دیا تو جائیداد پر مرجان کا حک ختم ہو جائے گا اس کی ساری جائیداد خود بخود مزاری کو مل جائے گی۔"(۲۳)

اگر کاراکاری کی رسم کے بھینٹ کوئی غریب چڑھتا ہے تو اس کی بہن اور بیٹی کت بارے میں فیصلے کرتے ہوئے زمیندار اور جاگیر دار پہلے اپنی ہوس پوری کرتے ہیں اور بود ازاں اسے سزادی جاتی ہے اور رویوں میں تضادات دیکھیے کہ اگر یہی ناجائز تعلق زمیندار جوڑتا ہے عورت کت ساتھ اپنی راتوں کو رنگین بناتا ہے تو وہ جائز ہے کیونکہ سر دار کے ساتھ سونے سے رن کالی نہیں ہوتی۔

"ساؤنی کل اور پرسوں ساری رات میرے کمرے میں رہی تھی.....رحیم داد کو دل لگی سوجھی۔تب تو وہ کالی ہو گی اور تو کالا....سر دار مزاری کی تیوری پر بل پڑ گئے لہجہ درشت ہو گیا سر دار کے ساتھ سونے پر کوئی رن کیوں کر کالی ہو سکتی ہے۔"(۲۴)

اس رسم کی بھینٹ چڑھنے والو کو نہ کفن پہنایا جاتا ہے اور نہ ہی ان کا جنازہ پڑھایا جاتا ہے۔لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ناجائز تعلقات رکھنے کی وجہ سے وہ ناپاک ہو گئے ہیں، اس لیے ان کی بخشش ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اور نہ ہی یہ لوگ کفن و تدفین کا حق رکھتے ہیں۔

"کالے اور کالی کو رات کے اندھیرے میں ہی دفن کیا جاتا ہے ....ان بد کاروں پر دن کی پاک صاف روشنی نہیں پڑنی چاہیے ان کی تو نماز جنازہ بھی نہیں ہوتی نہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے نہ نذر نیاز ہوتی ہے۔"(۲۵)

غیرت کے نام پر قتل میں عموماً پاکیزگی کی تصدیق نہیں کی جاتی صرف لڑکے اور لڑکی کے اکٹھے دیکھ لینے پر ہی اس پر کاراکاری کا الزام لگا دیا جاتا ہے۔ فیصلہ بعض اوقات جرگے میں کیا جاتا ہے جہاں جرگے کے افراد پوری تفصیلات سننے کے بعد جو فیصلہ صادر کرتے ہیں وہ حتمی ہوتا ہے اور بعض اوقات صورتحال یہ ہوتی ہے کہ باپ یا بھائی

لڑکے لڑکی کو دیکھتے ساتھ ہی قتل کر دیتے ہیں اور معاملہ جرگے تک جا ہی نہیں پاتا اور اس قتل پر نہ تو جرگے کو اعتراض ہوتا ہے اور نہ ہی یہ لوگ قانون کی گرفت میں آتے ہیں بلکہ غیرت کے نام پر کیے جانے والے قتل پر ماں باپ بہن بھائی فخر محسوس کرتے ہیں۔

"ماہلی چلا کر بولی: بھائی! قسم اللہ، رسول کی پاک صاف ہوں، کچھ نہیں کیا۔ آن واحد میں زناٹے کا تھپڑ اس کے گال پر مارتے ہوئے واہلا دھاڑ کر بولا: بے حیا چھپ چھپ کر اس چتّو سے سپارہ پڑھنے آتی رہی ہو؟ جواب میں کوئی عذر دلیل سننے کو ایک ساعت کا انتظار بھی گوارہ نہ کیا اور بغیر سوچے سمجھے بہن پر برچھی کا کاری وار کر دیا سب سے نچلی داہنی پسلی کو چھوتا ہوا پھل جسم کے اندر دھنس گیا اور نوک پیچھے پیٹھ پر نمودار ہو گئی"۔(۲٦)

گاؤں میں اکثر بے جوڑ شادیاں کر دی جاتی ہیں جس میں لڑکا یا لڑکی کی مرضی نہیں پوچھی جاتی۔ کبھی کمسن بچیوں کی بوڑھوں کے ساتھ اور کبھی اُدھیڑ عمر عورتوں کی شادی نو عمر لڑکوں کے ساتھ کر دی جاتی ہے۔ اس کے پس منظر میں کہیں تو خاندانی ضد کا دخل ہوتا ہے اور کہیں جائیداد کی تقسیم کے ڈر سے بے جوڑ رشتے جوڑ دیے جاتے ہیں سب سے بڑی وجہ ذات برادری سے باہر رشتہ کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ایسی صورتحال میں یا تو بیٹی کنوارہ ہی بٹھا دیا جاتا ہے پھر خاندان میں جو بھی رشتہ دستیاب ہوتا ہے اس سے زبردستی نکاح کر دیا جاتا ہے۔

"زبردستی کی بے جوڑ شادیاں اس خاندان اور علاقے میں اچھنبے کی بات نہیں ضدم ضدا یا پھر کاندانی وقار اور وراثتوں کو محفوظ رکھنے کے لیے کمسن بچیوں کو بوڑھوں اور اُدھیڑ عمر عورتوں کو نو عمر لڑکوں سے بیاہ دینا کسی بھی تعجب خیز نہیں سمجھا گیا۔"(۲۷)

دیہات میں کم عمری کی شادی کو پنگوڑے کی شادی کہا جاتا ہے جہاں پنگوڑے میں موجود بچے کا رشتہ طے کر دیا جاتا ہے۔ جب وہ دونوں شادی کے معنی سے بھی آشنا نہیں ہوتے اور کبھی بیوی اتنی بڑی ہوتی ہے کہ بچے کے جوان ہونے تک وہ ادھیڑ عمر پر قدم رکھ چکی ہوتی ہے۔

" کبھی دولہا کو بیوی کے بڑے بلکہ پیدا ہونے کا انتظار کرنا پڑتا ہے کیونکہ بدلے کی شادی میں لڑکی لینے والے گھرانے کو لڑکی دینی بھی پڑتی ہے۔ میرے حصے میں جو

> لڑکی آ رہی تھی وہ مجھ سے دس سال بڑی تھی اس بے چاری کی شادی بعد میں اپنے سے اٹھارہ سال بڑے مرد سے ہوئی۔"(۲۸)

دیہات میں وٹے سٹے کی شادی کا رواج بھی عام ہے۔ وٹے کے معنی ہیں بدلے میں عام طور پر شادی بیاہ عورت کے بدلے میں عورت دے کر ہوتے ہیں۔ اس سے نقصان یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک فریق کی اپنی ساتھی سے نہیں بنتی تو گھر دونوں کے اُجڑتے ہیں چاہے دوسرا فریق ہنسی خوشی زندگی ہی کیوں نہ بسر کر رہا ہو۔ ایک فریق اگر طلاق دے گا تو دوسرے فریق کو بھی نہ چاہتے ہوئے طلاق دینی پڑتی ہے جس کی وجہ سے دو دو گھر اکٹھے خراب ہوتے ہیں لیکن یہ ریت روایت ماضی کا بھی حصہ تھی اور موجودہ ترقی یافتہ دور میں بھی سلسلہ اسی طرح جاری ہے۔

> "بہت عرصہ ہوا جھوک سیال سے مسماۃ پھتی چار بچے اور ایک آنکھ سے کانا خاوند داڈو چھوڑ کر لالو کھوکھر کے ساتھ بھاگ گئی تھی مسماۃ رجو اس کے خاوند کے بہن وٹے میں اس کے بھائی کبیر سے بیاہی ہوئی تھی اور اپنے تین بچوں سمیت خاوند کے ہاں خوشی سے دن گزار رہی تھی۔"(۲۹)

حوالہ وحواشی

۱. عبداللہ حسین، اداس نسلیں، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۱۲) ص ۲۱۷
۲. عبداللہ حسین، اداس نسلیں ص ۲۱۷
۳. شبیر حسین، سید، جھوک سیال (لاہور: شیخ غلام اینڈ سنز س ن)، ص ۱۰۰
۴. شوکت صدیقی، جانگلوس، جلد اول، (لاہور: کتاب، پبلی کیشنز، ۲۰۰۹)، ص ۵۱۸
۵. مستنصر حسین تارڑ، خس وخاشاک زمانے (لاہور: سنگ پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء) ص ۱۲۷
۶. غلام ثقلین نقوی، میرا گاؤں، (لاہور: ابلاغ پبلشرز ۲۰۰۴ء) ص ۹۸
۷. مستنصر حسین تارڑ، ض، خس وخاشاک زمانے، ص ۱۷
۸. ایضاً، ص ۳۸
۹. عبداللہ حسین، نادار لوگ، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز ۲۰۱۴ء)، ص ۲۳۰
۱۰. مستنصر حسین تارڑ، خس وخاشاک زمانے، ص ۲۲۸، ۲۲۹
۱۱. شبیر حسین، سید، جھوک سیال ص ۸۵
۱۲. ممتاز مفتی، علی پور کا ایلی (لاہور: الفیصل، ۲۰۱۲) ص ۴۸۴
۱۳. مستنصر حسین تارڑ، خس وخاشاک زمانے، ص ۲۲۸، ۲۲۹

۱۴. ممتاز مفتی، علی پور کا ایلی، ص ۳۷۴

۱۵. شوکت صدیقی، جانگلوس، جلد سوم، ص ۵۸۹

۱۶. مستنصر حسین تارڑ، خس و خاشاک زمانے، ص ۲۲۳

۱۷. شوکت صدیقی، جانگلوس، جلد دوم، ص ۱۷

۱۸. عبداللہ حسین، نادار لوگ، ص ۲۳۷، ۲۳۶

۱۹. مستنصر حسین تارڑ، خس و خاشاک زمانے، ص ۲۳۴

۲۰. شوکت صدیقی، جانگلوس، جلد سوم، ص ۲۰۰

۲۱. شوکت صدیقی، جانگلوس، جلد سوم، ص ۵۷۵، ۵۷۴

۲۲. ایضاً ص ۵۷۵

۲۳. ایضاً ص ۲۵۲

۲۴. ایضاً ص ۳۰۶

۲۵. ایضاً ص ۲۷۹

۲۶. محمد الیاس، پروا، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۱۳ء) ص ۹۴

۲۷. محمد الیاس، بارش، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ۲۰۱۳ء) ص ۳۴۲

۲۸. حسن منظر، دھنی بخش کے بیٹے: (کراچی: شہرزاد، ۲۰۰۸) ص ۳۲۴

۲۹. شبیر حسین، جھوک سیال، ص ۶۹